



غزل گرافس

کتاب

The Hunter

از رباب تنویر ●●

New Era Magazine

صیاد

از قلم رباب تنویر

یہ منظر ایک چھوٹے سے سیلن زدہ کمرے کا تھا کمرے کی دیواروں پر سے کلی اکھڑ جانے کے باعث سیمنٹ نظر آ رہا تھا۔ کمرے میں ایک دیوار کے ساتھ ایک بھورے رنگ کا تابوت رکھا گیا تھا جبکہ دوسری دیوار پر ایک بک شیلف بنی تھی جس میں گارڈ فادر اور فورٹی ایٹ لاز آف پاور 48 laws of power نامی انگریزی کتب کے اردو ترجمے رکھے گئے تھے۔ کمرے میں جلتی ہلکی روشنی کمرے کو ہولناک بنا رہی تھی۔ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور قریباً اڑتالیس سالہ شخص ایک ہاتھ میں پھولوں کا گلدستہ لیے اندر داخل ہوا۔ اندر آتے ہی اس نے اپنا کوٹ اتار کر بازو پر ڈالا اور مسکراتے لہجے میں تابوت کی جانب دیکھ کر بولا

"آخ کیسے ہیں آپ؟ دیر سے آنے پر آپ مجھ سے ناراض نا ہوں کیونکہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے میں تو اپنے مخصوص وقت پر ہی نکلا تھا مگر راستے میں ٹریفک بہت زیادہ تھی" وہ شخص اپنی ہی دھن میں بولے جا رہا تھا۔

"امید کرتا ہوں میرے بغیر آپ زیادہ بور نہیں ہوئے ہونگے" کہتے ساتھ ہی وہ شخص آگے بڑھا اور اس تابوت پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگا۔

"یہ دیکھیں میں آپ کے پسندیدہ پھول لے کر آیا ہوں" اس شخص نے دوسرے ہاتھ میں پکڑے سفید پھول آگے بڑھائے

"دیکھیں گے آپ پھول؟ چلیں دکھاتا ہوں میں آپ کو" وہ شخص تابوت میں لگے ٹرانسپیرینٹ شیشے میں سے پھول اندر لیٹی لاش کے سامنے کرنے لگا۔ اس لاش کو ایمبامنگ embalming کے ذریعے محفوظ کیا گیا تھا۔ ایمبامنگ ایسا طریقہ ہے جس میں مردہ جسم میں مسالے بڑھ کر اسے گلنے سے بچایا جاتا ہے۔ اس طریقے میں زیادہ تر فارمل ڈی ہائیڈ formaldehyde, ایتھنال ethanol اور میتھانول methanol کا استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ زیادہ دیر لاش کو محفوظ نہیں رکھ سکتا اس لیے تابوت میں موجود لاش کے گلنے میں تاخیر کرنے کے لیے اسے پلاسٹک بیگ میں بند کیا گیا تھا صرف یہی نہیں لاش کو محفوظ کرنے کے لیے لیڈ لائنڈ تابوت lead lined coffin استعمال کیا گیا تھا کیونکہ لیڈ لائنڈ کوفن لاش کو سال تک گلنے سڑنے کے عمل سے بچاتا ہے اور لاش کی بدبو سے ماحول کو آلودہ کرنے سے روکتا ہے۔

"اچھے لگے؟" اس شخص نے مردے سے سوال کیا

“چلیں میں آپ کو کتاب پڑھ کر سناتا ہوں” کہتے ساتھ ہی اس شخص نے شیلف میں رکھی گارڈ فادر کتاب اٹھائی۔ پھر اس نے ایک جانب رکھی کرسی کھینچ کر تابوت کے قریب کی اور اس پر بیٹھ کر کتاب پڑھنے لگا۔ گارڈ فادر ایک امریکن کرائم ناول ہے جسے میریو پزو Mario puzo نے لکھا تھا اور اسے 1969 میں پبلش کروایا گیا تھا محمود احمد مودی نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ اس شخص کے ہاتھ میں موجود کتاب سالوں پرانی لگتی تھی۔ وہ شخص اب ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے پوری توجہ سے بلند آواز میں ناول پڑھنے لگا۔ قریباً ایک گھنٹہ وہ اسی کام میں مصروف رہا پھر کتاب واپس رکھ کر تابوت میں لگے شیشے سے لاش کا چہرہ دیکھنے لگا جو کیمیکل لگنے کے باعث اپنی اصلی شکل کھو چکا تھا۔ اس شخص نے لاش کو گانے سے بچانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی تھی یہاں تک کہ اس نے اس لاش کے اندر موحد تمام اعضاء نکال دیے تھے اور خون کی شریانوں میں ایمبامنگ سیال ڈال دیا تھا اس سے گانے کا عمل آہستہ ہو گیا تھا مگر رکا نہیں۔ گزرتے وقت کے ساتھ اس لاش کا پچانوے فیصد حصہ ڈیکے decay ہو چکا تھا اور بقایا پانچ فیصد بھی مزید کچھ عرصے میں گل سڑ جانا تھا۔ اس لاش کے صفا ہستی سے مٹ جانے کے ڈر سے کرسی پر بیٹھے شخص کی نیندیں اڑیں تھیں۔

“میں آپ کو زوال کا شکار نہیں ہونے دوں گا۔ آپ کو ہمیشہ میرے پاس رہنا ہے” وہ اٹل لہجے میں بولا

“آپ مجھ سے دور نہ جائیں” اس نے ضدی انداز میں کہا

“سترہ سال پہلے بھی آپ نے مجھ سے دور جانے کی کوشش کی تھی مگر میں نے آپ کو اپنے پاس محفوظ کر لیا تھا اور آپ کے قاتلوں کو کچھ بھی نہیں کہا آخ۔ مگر اس بار ایسا نہیں ہوگا”

“جس دن یہ پانچ فیصد حصہ ڈیکے ہوا اور آپ کے باقیات صفا ہستی سے مٹے اس دن سترہ سال پہلے کی کہانی دوبارہ دہرائی جائے گی انداز وہی ہوگا مگر اب کی بار قید کی بجائے قتل عام ہوگا خون ریزی ہوگی ہنگامہ ہوگا۔ اگر میری قیمتی چیز مجھ سے دور ہو گی تو دوسروں کے عزیز بھی ان کے قریب نہیں رہیں گے مُردوں میں آپ کے ساتھ اور بہت سے نام بھی گئے جائیں گے۔ صرف یہی نہیں میرے پہلے شکار کو بھی موت کا پروانہ ملے گا بہت گزار لی اس نے آدھ کٹے پروں کے ساتھ زندگی اب وقت آگیا ہے کہ وہ اپنے صیاد کی قید میں دوبارہ آ جائے” اس کے چہرے پر درندگی تھی۔ کچھ ہی لمحوں میں اس کے تاثرات بدلے۔ درندگی کی جگہ اب اس کے چہرے پہ خوف تھا کسی کے دور جانے کا خوف۔ اس نے الودائی نظر اس گلتی ہوئی لاش پر ڈالی اور لمبے لمبے ڈگ بڑھتا کمرے سے نکل گیا۔

.....

دیوسائی ریسٹ ہاؤس میں شام کے وقت ہلچل سی مچی تھی اور اس ہلچل کی وجہ ایلکس تھا۔ صبح سے وہ اپنی چارجنگ کر رہا تھا اس لیے ان ایکٹو تھا اور شام کے وقت جب وہ ایکٹو ہوا تو گھر میں ایک انجان شخص کو کچن ٹیبل کے قریب کھڑے دیکھ کر اس نے ایمرجینسی سائرن بجایا اور اپنی روبروٹک آواز میں بولا

”گھر میں چوڑ گھس آیا ہے خطرہ خطرہ“

اس کی آواز سن کر احتشام جو کچن میں اپنے لیے کافی بنانے آئے تھے بوکھلا گئے اور الہان جو صبح سے سنڈی میں بند کیس کی فائل پرہنے میں مصروف تھا ایلکس کا ایمرجینسی سائرن سن کر باہر نکلا

”کیا ہوا ہے ایلکس؟ کیوں شور مچا رہے ہو؟“

”گھر میں چوڑ گھس آیا ہے خطرہ خطرہ“

”کہاں ہے چوڑ؟“ الہان نے سوال کیا۔

”کچن میں“ ایلکس کا جواب سن کر الہان کچن کی جانب بڑھا اور کچن میں احتشام کو کھڑا دیکھ کر الہان کا دل کیا ایلکس کا سر پہاڑ دے

”ایلکس اپنے دماغ پر اتنا زور نہ ڈالا کرو فیوز ہو جائے گا کسی دن۔ یہ چوڑ نہیں میرے چچا ہیں احتشام“ الہان جلے انداز میں بولا۔ اس گفتگو کے دوران احتشام خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہا تھا۔

”احتشام چچا“ ایلکس نے کہتے ساتھ ہی احتشام کی تصویر کو نام اور ڈیٹ کے ساتھ اپنی میموری میں فیڈ کیا اور احتشام کو سکین کرتا ہوا بولا

”بلڈ پریشر نارمل، ہارٹ ریٹ ایب نارمل، باڈی فیٹ حد سے زیادہ ہے۔ ہارٹ ریٹ نارمل کرنے کے لیے گہرے گہرے سانس لیں اور باڈی فیٹ کم کرنے کے لیے روزانہ صبح واک کریں“

”بس کرو ایلکس“ ایلکس جو احتشام کو فیٹ کم کرنے کے لیے تجویز پیش کر رہا تھا الہان کی بات سن کر خاموش ہو گیا۔

”یہ کون ہے الہان؟“ احتشام نے سوال کی

”یہ ایلکس ہے میرے ساتھ رہتا ہے“ الہان نے جیسے ہی ایلکس کا تعارف کرایا ایلکس نے آگے بڑھ کر احتشام سے ہاتھ ملایا۔

”کافی بنا رہے ہیں تو میرے لیے بھی بنائے گا“ الہان نے احتشام کو کافی بناتے دیکھ کر بولا۔ کچھ دیر بعد احتشام کافی کے دو مگ لے کر لاؤنج میں آئے اور ایک کپ

الہان کو پکڑا کر لاؤنج میں لگی تصویر کی جانب متوجہ ہوئے یہ وہی تصویر تھی جس میں خوبصورت نقوش والی لڑکی اور چار لڑکے تھے۔

”تم جانتے ہو یہ تصویر کب کی ہے؟“ احتشام نے سوال کیا

”نہیں... یہ تصویر مجھے اچھی لگی تھی اس لیے اسلام آباد سے جاتے وقت اسے میں نے اپنے سامان میں رکھ لیا تھا“

”یہ تمہاری چوتھی سالگرہ کی تصویر ہے اس دن کیک کاٹنے کے بعد ہم سب خوش گپیوں میں مصروف تھے جب تم نے ہماری توجہ اس منظر کی جانب مبذول کروائی جہاں ہمارے گھر کا ننھا وجود اپنا پہلا قدم اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہم سب کو اپنی جانب متوجہ دیکھ کر اس وجود نے مسکراتے ہوئے پہلا قدم اٹھایا۔ اس واقع کے کچھ دیر بعد ہی یہ تصویر اتاری گئی تھی“

”تمہاری سالگرہ کا دن وہ آخری دن تھا جو ہم سب نے ہستے مسکراتے ہوئے ساتھ گزارا تھا۔ اس کے بعد قسمت نے دوبارہ ہمیں موقع ہی نہیں دیا۔ اس ایک شخص کے باعث ہمارے گھر کا شیرازہ بکھر گیا جو آج اتنے سالوں بعد بھی سمٹ نہیں سکا“

”ایک دن سب ٹھیک ہو جائے گا“ احتشام کے خاموش ہونے پر الہان بولا

”یہ سب اس وقت تک ٹھیک نہیں ہو سکتا جب تک اس زنجیر کی آخری کڑی نہ مل جائے“

”بہت جلد مل جائے گی وہ کڑی بھی“

”اللہ کرے ایسا ہی ہو“

”میں کھانے کے لیے کچھ آرڈر کرتا ہوں تب تک آپ اپنے لیے کمرے کا انتخاب کر لیں“ کہتے ساتھ ہی الہان اپنے فون کی جانب بڑھا۔ کچھ دیر بعد ان دونوں نے کھانا کھایا اور دوبارہ سٹڈی میں گھسنے لگا جب احتشام کی آواز سن کر رک گیا

”کمرے میں بند رہ کیا کرتے رہتے ہو؟“

”صبح سے فائل سٹڈی کرنے میں مصروف تھا اب فائل کی کاپی سینڈ کرنے کے بعد کتاب پڑھنے لگا ہوں“

”کون سی کتاب پڑھ رہے ہو؟“

”کریمینل مائنڈ Criminal mind“ الہان نے کتاب کا نام بتایا

”تمہیں اس کتاب کو پڑھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟“

”ظاہر ہے اس کتاب سے کیس سولو کرنے میں مدد ملے گی“

”کریمینل سائیکولوجسٹ کو تقرر کر رہے ہو پھر تمہے اس سب کی کیا ضرورت ہے؟“

”مانا کہ سائیکولوجسٹ کو تقرر کیا ہے اس کیس کے لیے مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہم سب کچھ اس پر ڈال کر خود ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں“

”تفتیش ختم ہو گئی ہوتو سٹڈی میں جانے کی اجازت ہے؟“ الہان جلے انداز میں بولا

”ہاں ہاں جاؤ میں نے کب روکا ہے“ احتشام اس کی بات پر خجل ہو کر بولے

”اگر آپ بور ہو رہے ہیں تو ایلکس سے کہیں وہ آپ کو خود کو مصروف رکھنے کے سو طریقے بتائے گا“ الہان کہتے ساتھ ہی جا کر دوبارہ اسٹڈی میں بند گیا۔ اگلے دن بھی زیادہ وقت اس نے اپنے کمرے میں ہی گزارا تھا۔ اس کو اپنے کام میں مصروف دیکھ کر احتشام نے اس کو تنگ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ کھانا کھانے کے لیے الہان سے پھر میں کمرے سے باہر نکلا اس کا ارادہ نوڈلز بنانے کا تھا مگر کچن میں احتشام کو کھانا بناتے دیکھ کر بولا

”کیا بنا رہے ہیں؟“

”بریانی“ اس کو جواب دے کر احتشام دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئے تو وہ لاؤنج میں بیٹھ کر فون استعمال کرنے لگا۔

”آجاؤ کھانا بن گیا ہے“ پندرہ بیس منٹ بعد احتشام نے اسے مطلع کیا

”تم اکیلے رہ کر اکتاتے نہیں ہو؟“ کھانے کے دوران احتشام نے سوال کیا

”میں اکیلے رہنے کا عادی ہوں“ الہان کی بات پر وہ کچھ لمحے خاموشی سے اسے دیکھتے رہے جو بکھرے بال اور بڑھی ہوئی شیو لیے مکمل طور پر کھانے کی طرف متوجہ تھا پھر کچھ دیر بعد دوبارہ بولے

”کس دن جانا ہے تم نے دبئی؟“

”دو دن بعد“

”کتنے دن رہو گے وہاں؟“

”ارادہ تو میرا ایک ہی دن میں واپس آنے کا ہے“

”ٹھیک ہے“ کھانا کھانے کے بعد وہ دونوں چیزیں سمیٹنے میں مصروف تھے جب الہان بولا

”احتشام چچا شادی ہی کر لیں کھانا پکانے اور برتن دھونے کی ٹنشن تو ختم ہو گی“

”برخودار میری عمر پچیس سال نہیں پچاس سال ہے اس لیے تم یہ مشورہ مجھے دینے کی بجائے خود اس پر عمل کرو کیونکہ تیس کے تو تم ہو گئے ہو“

”میرے پاس شادی سے زیادہ اہم کام ہیں ابھی کرنے کے لیے“

”کام تمہارے ساری زندگی ختم نہیں ہونے اس لیے بہتر ہے جلد ہی شادی کرلو کیونکہ چند اور سال بعد تم بوڑھے ہو جاؤ گے پھر کسی نے تمہے لڑکی نہیں دینی اور میری طرح تم بھی کنوارے ہی رہ جاؤ گے“ احتشام نے اس کے سامنے متسقبل کا بھیانک نقشہ کھینچا۔

”ابھی بہت سال پڑے ہیں میرا بڑھاپا آنے میں اس لیے فکر نہ کریں بوڑھے ہونے سے پہلے شادی کر لوں گا میں“ احتشام کو حوصلہ دے کر وہ اپنے کمرے میں جانے لگا جب سوفے پر رکھے اس کے فون کی گھنٹی بجی۔

”کیس کی فائل پہنچا دی؟“ چند خیر مقدمی جملے کہنے کے بعد الہان نے فائل کے متعلق پوچھا جو اس نے کل رات بھیجی تھی۔

”جی وہ تو میں نے دے دی ہے مگر اس کا فائل پڑھنے کا کوئی خاص ارادہ نہیں تھا“ دوسری جانب سے جواب آیا۔

”تم بس اسے ایک دفعہ فائل دیکھنے پر راضی کرلو“

”آپ کو کیوں ایسا لگتا ہے کہ وہ فائل دیکھنے کے بعد کیس لینے پر راضی ہو جائے گی؟“

”اس بات کو چھوڑو تم یہ بتاؤ کہ سیمینار کی ٹائمنگ کیا ہے؟“ الہان ٹالنے والے انداز میں بولا

”مجھے نہیں پتا“ اس کے ٹالنے پر لائن کے دوسری جانب موجود شخص نے جل کر کہا۔

”شرافت سے بتاؤ“ الہان رعب ڈالنے والا

”زیادہ میرا باس بننے کی ضرورت نہیں ہے..... بارہ بجے ہے سیمینار“ بات کے اختتام میں اس شخص نے شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ٹائمنگ بتا دی تھی

”ٹھیک ہے وہ تصویر ویب سائٹ پر لگا دی تھیں؟“

”ہاں وہ کب کی لگا دی ہیں میں نے مگر اب تک تسلی بخش جواب نہیں آیا وہاں سے“

”اگر کوئی پیغام آئے تو مجھ سے رابطہ کروا دینا“ الہان نے کہا اور پھر چند اختتامی کلامات ادا کرنے کے بعد فون بند کر دیا۔

”کیا تمہے یقین ہے اس طریقے سے ہم اس تک پہنچ جائیں؟“ احتشام کی بات پر فون جیب میں ڈالتے ہوئے مڑا

”مجھے سو فیصد یقین ہے مگر اس تک پہنچنے کے لیے ہمیں انتظار کرنا ہوگا“

”اتنے سالوں سے انتظار ہی تو کر رہے ہیں“ احتشام مایوسی سی بولے

”بس تھوڑا اور انتظار کر لیں اتنے سالوں سے ہماری تلاش اندھیرے میں تیر مارنے کی مترادف تھی مگر اب کی بار ہم درست سمت جا رہے ہیں“ الہان نے انہیں مایوسی سے نکالنا چاہا۔ اس کی بات پر احتشام نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ انہیں چند مزید تفصیلات بتانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں گیا۔ کچھ لمحوں بعد وہ کالی ہوڈ اور کالا ٹراؤزر پہنے ایک ہاتھ سے بکھرے بال پیچھے کی طرف سیٹ کرتا اور دوسرے ہاتھ میں گاڑی کی چابی گھماتا ہوا کمرے سے باہر نکلا

”میں سوپر سٹور جا رہا ہوں آپ کو کچھ چاہیے تو بتا دیں“ دروازے کی طرف رخ کرتے ہوئے وہ بولا

”مجھے کچھ نہیں چاہیے میں اب بس آرام کروں گا صبح جاگنگ پر جاتے وقت مجھے جگا دینا“

”جی اچھا“ ان کی بات سن کر وہ گھر سے باہر نکل آیا۔ گیاراج سے گاڑی نکالتے وقت اس نے کھلے گیٹ سے نظر آتی سڑک کو دیکھا۔ سڑک سے ہوتی ہوئی اس کی نگاہ دور پہاڑ کی ڈھلوان پر موجود پیل کے درختوں میں چھپی تاریکی کی جانب گئی تو اس کے چہرے پر سرد مہری کا تاثر ابھرا۔ لمحوں میں اس نے سوپر سٹور جانے کا ارادہ ترک کیا۔ گاڑی کو لاک کر کے اس نے چوکیدار کو چند ہدایات دیں اور گھر سے باہر نکل آیا۔ ہوڈ سے اپنے سر کو ڈھک کر وہ ویران سڑک پر چلنے لگا۔ چہرے پر سوچوں کے سائے لیے وہ اس تاریکی کی جانب بڑھا۔ ایک بار پھر سے ماضی کے مناظر سڑک پر ٹکی اس کی نگاہوں کے سامنے واضح ہونے لگے۔ ان دوڑتے مناظر میں ایک منظر واضح ہوا اور ایک چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے ابھرا یہ چہرہ اس کے بابا کا تھا۔ یہ منظر اس کے بابا کی وفات کے کچھ عرصہ پہلے کا تھا

”الہان چند باتیں مانو گے“ وہ اس وقت بابا کے کمرے میں بیڈ پر ان کے قریب بیٹھا تھا جب وہ بولے

”حکم کریں بابا“

“میرے مرنے کی خبر احتشام تک پہنچا دینا اور احتشام سے کبھی رابطہ ختم نہ کرنا۔ میرے جانے کا غم جتنا تمہے ہوگا اتنا ہی اسے بھی ہوگا۔ میرے بعد اس دنیا میں تمہارے دو ہی رشتے رہ جائیں گے ان دونوں رشتوں کو سنبھال کر رکھنا”

“بابا آپ ایسی باتیں نہ کریں”

“موت برحق ہے بیٹے اس سے نظریں نہیں چرائی جا سکتیں اس لیے بہتر یہی ہے کہ انسان خود کو ہر قسم کے حالات کے لیے تیار رکھے۔”

اس مختصر سے منظر کے بعد ایک اور منظر الہان کی آنکھوں کے سامنے ریل کی طرح چلنے لگا۔ یہ منظر پچھلے منظر سے پہلے کا تھا۔

“الہان ادھر آؤ بیٹا” وہ رات کے وقت اپنا سکول کا ہوم ورک کر کے فارغ ہی ہوا تھا جب لان میں بیٹھے بابا نے اسے پکارا۔ ان کی پکار سن کر وہ سرد تاثرات لیے ان کی جانب بڑھا

“یہ اندھیرا تمہے خوفزدہ کرتا ہے” انہوں نے لان کے سنسان گوشے میں پھیلے اندھیرے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا

“نہیں مجھے یہ اندھیرا بہت اچھا لگتا ہے میرا دل کرتا ہے میں ایسے ہی ایک اندھیرے گوشے میں گم ہو جاؤں جہاں سے میں ساری دنیا کو دیکھ سکوں مگر مجھے کوئی بھی نہ دیکھ سکے”

“خود کو ان اندھیروں کا عادی نہ بناؤ کیونکہ یہ اندھیرے تمہے کمزور کر دیں گے اور پھر تم کبھی سر اٹھا کر دنیا کا سامنا نہیں کر سکو گے۔ جب یہ اندھیرا تمہے اپنی جانب کھینچنے لگے تو اس کی جانب بڑھنے سے پہلے ایک دفعہ یہ سوچ لینا کہ اس دفعہ تمہے اندھیرے سے نکالنے کے لیے کوئی نہیں آئے گا کیونکہ تمہے اندھیروں سے نکالنے والا وجود منوں مٹی تلے جا سویا ہے۔”

بابا کی یہ بات جیسے ہی اس کے کانوں میں گونجی اندھیرے میں ڈوبے پہاڑ کی جانب بڑھتے اس کے قدم تھم گئے۔ اپنی سوچوں میں مگن اس نے بہت سا فاصلہ طہ کر لیا تھا اور وہ بلند و بالا پہاڑ اب اس کے سر پہ کھڑا تھا۔ اس پہاڑ پر ایک نظر ڈال کر بابا کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے اس نے واپسی کی جانب قدم بڑھائے۔

خاموشی میں ڈوبے گھر میں قدم رکھتے ہی اس نے گہری سانس ہوا کہ سپرد کی اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ شاور لینے کے بعد بغیر لائٹ بند کیے وہ بیڈ پر دراز ہو گیا اور پھر کچھ دیر میں کمرے کی سیلنگ پر ٹکی اس کی نظریں نیند سے بوجھل ہونے لگیں۔

ٹیرسڈ ہاؤس میں معمول کے مطابق خاموشی چھائی تھی مگر آج پچھلے دو دنوں کے برعکس اس گھر میں آج انسانی وجود سانس لے رہا تھا۔ حجر جو پرسوں سے مور کے گھر گئی تھی آج صبح مور سے بڑی مشکل سے اجازت لے کر واپس آئی تھی۔ مور اس کے واپس جانے پر راضی نہیں تھیں بقول ان کے

”پرسوں تو تم آئی تھی اور کل دن پھر تم نے اپنے دوستوں کے ساتھ آوارہ گردی کرنے میں گزارا تھا اور آج کا دن شروع ہوتے ہی تمہے گھر جانے کی بے چینی لگ گئی ہے ایک دن ہمارے ساتھ گزار کر ہم پہ احسان عظیم کرنے کی ضرورت نہیں تھی“

حجر نے ان سے جلد آنے کا وعدہ کر کے انہیں کسی طرح راضی کر ہی لیا تھا اور اب وہ اپنے گھر میں کھڑی آج کے دن کا لائحہ عمل سوچنے میں مصروف تھی۔ ایک فیصلے پر پہنچ کر اس نے ربداری کے اختتام میں بیڈ روم کے سامنے بنے کمرے کا رخ کیا۔ یہ اس کی ریسرچ لیب تھی جہاں وہ زیادہ تر کیس کے ریکارڈ تیار کرتی تھی اور اس لیب میں موجود سب نمونے بھی معائنہ کرنے کے لیے ہی یونیورسٹی کی طرف سے اسے دیے گئے تھے۔ لیب کی لائٹس اوٹومیٹک تھیں اس لیے جیسے ہی اس نے لیب میں قدم رکھا لائٹ آن ہو گئیں۔ انسانی جسم کے سپیسیم کی موجودگی کے باعث لیب خاصی ہولناک دکھتی تھی۔ حجر نے بائیں جانب دیوار کے ساتھ رکھی فولڈنگ چیئر اٹھائی اور اسے لیب کے وسط میں موجود ٹیبل کے قریب رکھا۔ کندھے پر پہنے بیگ میں سے اس نے فار اور سائمن کی دی ہوئی فائلز نکالیں۔ سائمن کی فائل اس نے لاپرواہی سے ٹیبل پر رکھی فائلوں کے ساتھ رکھ دی اور فار کی دی ہوئی فائل کھول کر اپنے سامنے رکھی۔ بیگ میں سے اپنی گلاسز نکال کر کالی آنکھوں پر لگائیں اور ہلکا سا جھک کر دونوں بازو ٹیبل پر ٹکاتے ہوئے فائل کا مطالعہ کرنے لگی۔

”15 ستمبر، 1993“ فائل کے پہلے صفحے پر لکھی ڈیٹ پر نظر پڑتے ہی اس نے اپنے ہونٹوں کو حرکت دی

”آج سے چھبیس سال پہلے اور دو مہینے پہلے کی تاریخ“

”ڈاکٹر کے معائنے کے مطابق اس وقت میری عمر قریباً ایک سال اور ایک ماہ تھی۔“ وہ خود کلامی کے انداز میں بول رہی تھی۔

”منہ پر انگلیوں کے نشانات اور جسم پر چھوٹے چھوٹے زخم تھے جیسے کسی نے اپنی فرسٹریشن نکالنے کی کوشش کی ہو اور پھر اس وجود سے چھٹکارہ پانے کے لیے اسے وہاں سڑک پر پھینک دیا ہو“ اس نے زخموں کی تصویروں کو دیکھتے اس انداز میں کہا جیسے وہ اپنے نہیں کسی اور کے بارے میں بات کر رہی ہو۔

”زخموں کے نشانات سے واضح ہے کہ یہ کسی انارٹی کا کام ہے اور جسم پر ایک دو جگہ ناخن کے نشان بھی تھے اور ناخنوں کا سائز کسی دس سے پندرہ سال کے بچے کا تھا“ چھوٹے چھوٹے ناخنوں کے نشانات والی تصویر ہاتھ میں پکڑے اس نے خود کلامی کی۔

”صبح کے روشنی میں اس علاقے سے کچھ دور ایک دلدلی علاقے میں قدموں کے نشانات دیکھے گئے تھے اور یہ نشانات بھی کسی بچے کے قدموں کے تھے ان دونوں شواہد سے یہ بات تو ظاہر تھی اس کو زحمی حالت میں وہاں پھینکنے والا کوئی بچہ تھا۔ مگر ایک بات جو غیر معمولی تھی وہ یہ تھی دلدلی علاقے سے ملنے والے دونوں پاؤں کے نشانات میں فرق تھا۔ دائیں پاؤں کے جوتے کا سائز بڑا تھا اور بائیں پاؤں کے جوتے کا سائز چھوٹا تھا۔ تقریباً ساٹھ فیصد آبادی کے پیروں میں فرق ہوتا ہے اور ان میں سے اسی فیصد آبادی کا بائیں پاؤں بڑا ہوتا ہے مگر یہ فرق بہت کم ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے دونوں پیروں میں الگ الگ سائز کے جوتے پہننے کی ضرورت نہیں پڑتی۔“

فائل کے اگلے صفحے پر کارگو کروس شپ کی ٹکٹ تھی جس پر صرف اس کا نام اور مذہب والا حصہ نظر آ رہا تھا باقی کے حصے جو کالی سیاہی سے رنگ دیا گیا تھا۔ ححر نے کافی مرتبہ کالی سیاہی کے نیچے چھپے حروف پڑھنے کی کوشش کی تھی مگر کرنے والے نے یہ کام بڑی مہارت سے کیا تھا۔

”کارگو کے ٹکٹ پر میرا نام یہ ظاہر کرتا ہے کہ میرا تعلق کسی اور ملک سے ہے اور کارگو شپ کے ذریعے مجھے دبئی لایا گیا تھا“ دو انگلیوں کے درمیان شب کا ٹکٹ کو گھماتے ہوئے وہ بولی

”لایا تو وہ شخص مجھے کہاں سے لایا؟“

”ایک بچی کو ایک ملک سے دوسرے ملک لانا بچے کا کام نہیں ہے اس لیے مجھے لانے والا کوئی اور تھا اور وہاں اندھیرے میں مجھے مار کے پھینکنے والا کوئی اور“

”اور اس بچے کو مجھ سے ایسی کیا دشمنی تھی کہ وہ مجھے زخمی کر کے وہاں پھینک گیا کون سی فرسٹریشن تھی جو اس نے مجھ پر نکالی؟“

”پھینکا تو پھینکا مگر میرا نام اور مذہب چھوڑ کر باقی ساری معلومات سیاہی سے رنگ کر وہ ٹکٹ وہاں پھینکے کی کیا منطق تھی؟“

”وہ بچہ جانتا تھا کہ میں زندہ ہوں تبھی تو اس نے جان بوجھ کر وہ ٹکٹ وہاں پھینکا تھا مگر اگر مجھے زندہ ہی چھوڑنا تھا تو پہلے مجھے اتنا زحمی کیوں کیا؟“

یہ وہ سوالات تھے جو پوری فائل پڑھنے کے بعد کے حجر کے ذہن میں آئے تھے اور ان سوالات کے جوابات اس کو خود تلاش کرنے تھے۔ فائل بند کر کے اس نے گہری سانس لی اور پھر لمحوں میں فیصلہ کر کے وہ لیب سے باہر نکلی اور لاؤنج میں ٹیبل پر رکھا اس نے اپنا فون اٹھا کر اس نے ہیری نام سے سیو نمبر ملایا۔ پوری بیل ہونے باوجود دوسری جانب سے فون نہ اٹھانے پر اس نے ماتھے پر تیوری چڑھاتے ہوئے اسی نمبر پر میسج کیا

”فون اٹھاؤ“

”سوری میم میں آپ کا فون ریسیو نہیں کر سکتا“ دوسری جانب سے جواب آیا

”کیوں کیا مسئلہ ہے تمہے فون اٹھانے پر؟“

”آپ نے خود ہی منع کیا تھا“

”اب بھی میں ہی کہہ رہی ہوں اس لیے شرافت سے فون اٹھاؤ ہیری“ حجر دانت پیستے ہوئے بولی

”سوری میم میں نہیں اٹھا سکتا آپ نے ابھی ایک ہفتہ پہلے ہی مجھے ایک مہینے کی چھٹی دی تھی ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ پچھلے ایک سال میں مسلسل تمہاری شکل دیکھ کر اور تمہاری آواز سن کر تھک گئیں ہوں اس لیے اب ایک مہینے سے پہلے نہ مجھے اپنی شکل دکھانا نہ آواز سنانا“ ہیری نامی شخص نے ایک ہفتہ پہلے کہی ہوئی اس کی باتیں دہرائیں

”دماغ خراب ہو گیا تھا تب میرا اس لیے اس دن الٹا سیدھا بول گئی تھی اب اچھے اسسٹینٹ کی طرح اپنی میم کی بات مانو اور فون اٹھاؤ“

”سوری میم“ ہیری نے مودب انداز میں معذرت کی

”کمال کے ڈھیٹ واقع ہوئے ہو مگر کوئی نہیں سامنے آؤ ذرا میرے پھر تمہے اچھے سے بتاؤ گی کیا کہا تھا میں نے۔ ابھی کے لیے تم میری کل صبح کی دہلی کی ٹکٹ بک کرواؤ“

”بس ایک ہی ٹکٹ بک کرونی ہے نہ؟“ ہیری نے تصدیق کرنی چاہی

”جی ایک ہی کروانی ہے تمہاری ضرورت نہیں ہے اس لیے تم کرو چھٹیاں انجوائے“ حجر جل کر بولی

”شکریہ میم۔ فلائٹ کی ڈیٹیلز میں آپ کو سینڈ کر دوں گا“

”ٹھیک ہے“ حجر نے کہتے ساتھ ہی فون بند کر دیا۔ بیری جینی کا کزن تھا اور جینی کے توسط ہی اس کی حجر سے ملاقات ہوئی تھی۔ بیری یونیورسٹی میں اس سے جونیر تھا اس لیے ٹرینی کی حیثیت سے حجر کے ساتھ کام کر رہا تھا۔

فون اس نے دوبارہ ٹیبل پر رکھا اور خود کچن میں جا کر کافی بنانے لگی۔ کافی کا کپ ہاتھ میں لیے وہ دوبارہ لیب میں گھس گئی۔ ایک دفعہ دوبارہ فار کی دی ہوئی فائل کو دیکھنے کے بعد وہ ہاتھ میں فائل لیے لیب کی اس دیوار کی جانب بڑھی جہاں گردے اور کھوپڑی والے فریزرز کے درمیان وائٹ بورڈ لگا تھا۔ بورڈ مارکر اٹھا کر اس نے فائل کی چیدہ باتیں بورڈ پر لکھیں اور ساتھ فائل میں موجود تمام تصویریں بھی بورڈ پر چسپاں کی۔ پھر اس نے اغواہ کرنے والے کو فرسٹ پرسن اور زخمی کرنے والے کو سیکنڈ پرسن کا نام دیا۔

Observation:(مشاہدات)

کارگو کے ذریعے بچی کو لانا“ (فرسٹ پرسن)

”اس پر اپنی فرسٹریشن نکالنا“ (سیکنڈ پرسن)

”اس کو زخمی حالت میں سسنان علاقے میں پھینکنا“ (سیکنڈ پرسن)

حجر نے ابزرویشن کی ہیڈنگ کے نیچے یہ تین پوئنٹ لکھے اور ان کے آگے ان سے متعلقہ تصویریں چسپاں کیں۔ پھر اس نے اگلی ہیڈنگ بنائی

Hypothesis :(مفروضات)

”کارگو شپ کے ذریعے بچی کو بغیر اس کے ماں باپ کے ایک ملک سے دوسرے ملک لانا کسی عام انسان کا کام نہیں ہے فرسٹ پرسن ضرور کارگو کریو کا حصہ ہوگا۔“

”فرسٹ پرسن کا اصل مقصد بچی کو اغواہ کرنا نہیں تھا کیونکہ اگر اس کا ایم بچی کو اغواہ کرنا ہوتا تو اسے اغواہ کرنے کے بعد سیکنڈ پرسن کے سپرد نہ کرتا۔“

”فرسٹ پرسن بحری سفر کرنے کا عادی ہے اس لیے وہ بے خطر ہو کر اس بچی کو اس کے ملک سے دوسرے ملک لے آیا“

مفروضات لکھنے کے بعد اس نے وہ پہلو الگ کر کے لکھے جو مبہم تھے

”فرسٹ پرسن اور سیکنڈ پرسن کے درمیان رشتہ“

”اغواہ کار کا اصل مقصد“

”سیکنڈ پرسن کی فرسٹریشن کی وجہ“

ان مبہم سوالوں کو بورڈ پر لکھ کر وہ کچھ فاصلے پر جا کھڑی ہوئی اور غور سے بورڈ پر لکھے ایک ایک لفظ کو پڑھ کر ذہن نشین کرنے لگی۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ فائل کو ٹیبل پر رکھ کر لیپ سے باہر نکل آئی۔ لیپ کے سامنے موجود اپنے بیڈ روم سے لیپ ٹاپ لے کر وہ لاؤنج میں رکھے صوفے پر بیٹھ گئی۔ ٹانگیں دراز کر کے اس نے سینٹر ٹیبل پر رکھیں اور ٹانگوں پر کٹھن رکھ کر لیپ ٹاپ اس پر ٹکایا۔ جیسے ہی اس نے لیپ ٹاپ آن کیا ہنٹر گیم کی سائٹ کھل گئی کیونکہ اُس رات حجر نے بیزار ہو کر شٹ ڈاؤن کیے بغیر ہی لیپ ٹاپ کی اپر لڈ کر بند کر دی تھی۔ ہنٹر گیم کی سائٹ دیکھ کر ایک لمحے کے لیے اس کا دل کیا کہ گیم لوگن کر کے اگلا لیول کھیل لے کیونکہ اس کا پلیئر اب تک اٹھ گھنٹوں کی قید سے آزاد ہو گیا ہو گا۔ مگر پھر اپنی اس خواہش پر قابو پاتے ہوئے اس نے دبئی کے متعلق ریسرچ کرنی شروع کر دی۔

وہ اپنے شعبے کی وجہ سے بہت سے ممالک گئی تھی مگر وہ سب ملک امریکہ یا یورپ براعظم کے تھے۔ براعظم ایشیاء کے کسی ملک جانے کا یہ اس کا پہلا اتفاق تھا اس لیے وہ وہاں جانے سے پہلے وہاں کے رہن سہن کے بارے میں جاننا چاہتی تھی تاکہ وہاں جا کر وہ اجنبیت محسوس نہ کرے۔

دوسرے ممالک کے سفر کے دوران وہ ہمیشہ "جیسا دیس ویسا بھیس" معقولے پر عمل کرتی تھی۔ اسے قطار کے بیچ رہنا پسند تھا کیونکہ قطار کے شروع اور آخر کے لوگ دوسروں کی نظروں میں ہوتے ہیں۔ خود کو اجاگر کرنا اس کا مقصد کبھی نہیں رہا تھا۔

ایک گھنٹہ دبئی کے متعلق ریسرچ کر کے وہ بہت حد تک دبئی کے متعلق جان چکی تھی۔ اس سفر کے لیے وہ پرجوش تھی اور پر امید بھی۔ پرجوش وہ اس لیے تھی کیونکہ وہ پہلی مرتبہ کسی مسلم ملک جا رہی تھی اور پر امید اس لیے تھی کیونکہ وہ خود کو منزل کے بہت قریب محسوس کر رہی تھی۔ مگر ایک بات جس سے نا آشنا تھی وہ یہ ہے کہ دبئی ایک صحرائی ملک ہے اور صحرا منزل تک پہنچانے کی بجائے نخلستان کا سراب دکھا انسان کو گر گمراہ کرتے ہیں۔

بھوک کا احساس ہونے پر اس نے لیپ ٹاپ بند کیا اور فریج کی جانب بڑھی۔ فریج کا دروازہ کھولتے ہی حالی فریج کو دیکھ کر اس کے منہ کے زاویے بگڑے۔ یہ سب اس کی دوستوں کی مہربانی تھی جنہوں نے تین دن پہلے اس کے گھر دھاوا بول کر اس کی ایک ہفتے کی خوراک کا ایک دن میں صفایا کیا تھا۔ بیزار سے شکل بنائے اس نے گھڑی کی جانب دیکھا جو شام کے پانچ بج رہی تھی پھر لاؤنج کی کھڑکیوں سے پردہ ہٹا کر موسم کا جائزہ لینے لگی۔ سردی دیکھ کر گھر سے نکلنے کو اس کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر بھوک کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے گروسری کے لیے جانے کا فیصلہ کیا۔ بیڈ روم میں بنی کلوزیٹ سے اس نے کاؤل نیک پونچو cowl neck poncho نکال کر فل سلیوز ٹی شرٹ پر پہنا اور ساتھ ہی بی نی beanie ہیٹ سے

اپنا سر ڈھکا۔ دروازے کے قریب بنے مٹروم سے اس نے کینوس canvas شوز پہنے اور کی ریک سے ایک چابی اٹھا کر وہ گھر سے باہر نکلی۔ ہاتھ میں پکڑی چابی سے اس نے پورچ میں کھڑی اپنی بائی سائیکل کا کیبل لاک کھولا اور سائیکل کو سڑک پر لا کر چلانے لگی۔ تیز رفتار سے سائیکل چلانے کی وجہ سے اس کے بال ہوا کے دوش پر اڑ رہے تھے مگر وہ ان کی پروا کیے بغیر دونوں ہاتھوں سے ہینڈل تھامے سائیکل چلانے میں مصروف تھی۔ گروسری سٹور پہنچ کر اس نے اپنی سائیکل کھڑی کی اور سٹور کے اندر چلی گئی۔ مختلف چیزوں سے گروسری کارٹ کو بڑھنے میں مصروف تھی جب اس کا فون بجا۔ ایک ہاتھ سے کارٹ کو تھامتے ہوئے اس نے دوسرے ہاتھ سے فون پینٹ کی پوکٹ سے نکالا۔ سکرین پر سائمن کا نام روشن دیکھ کر اس نے فون اٹھایا

”ہالو..کیسی ہو؟“ سائمن بولا

”میں ٹھیک ہوں۔ تم بتاؤ فون کیوں کیا؟“

”ویسے ہی فارغ تھا سوچا تمہارا حال چال پوچھ لوں“

”کام کی بات بتاؤ سائمن“

”پہلے تم مجھے یہ بتاؤ ہو کہاں؟ پیچھے سے شور کی بہت آواز آرہی ہے“ سائمن نے سوال کیا

”گروسری کرنے کے لیے قریبی سوپر سٹور آئی ہوں“

”تم گروسری کر کے فارغ ہو جاؤ پہلے۔ میں آدھے گھنٹے بعد کال کروں گا“

”ٹھیک ہے“ فون بند کر کے وہ کاؤنٹر کی جانب بڑھی تاکہ بل بنوا سکے۔ سامان کو اس نے اپنی سائیکل کے آگے بنی ٹوکری میں رکھا اور واپسی کے سفر پر گامزن ہوئی۔ آدھے پونے گھنٹے میں وہ گروسری کر کے واپس بھی آگئی تھی۔ سارے سامان کو فریج میں لگایا۔ پھر ہاتھ میں کپ نوڈلز لیے وہ صوفے پر اسی انداز میں دوبارہ بیٹھ گئی جس طرح پہلے بیٹھی تھی۔ کپ بوڈلز کھاتے ہوئے اس نے ایک ہاتھ سے لیپ ٹاپ آن کیا دبئی سے متعلق پیجز بند کر کے اس ہنٹر گیم لوگن کی۔ آج کے دن کا کام وہ ختم کر چکی تھی اس لیے اب وہ آرام سے گیم کھیل سکتی تھی۔ اس کا پلیئر اب اس کال کوٹھری کی بجائے نیلے آسمان تلے کھڑا تھا۔ سٹارٹ کا بٹن دباتے ہی وہ گیم کی افسانوی دنیا میں داخل ہوئی۔ اس کے سامنے جدید طرز کی ٹرین کھڑی تھی جس پر واضح الفاظ میں لکھا تھا کہ دوسرے لیول کے کھلاڑی اس میں داخل ہو جائیں

اپنی لال رنگ کی پوشاک سمبھالتے ہوئے وہ ٹرین میں سوار ہوئی۔ ٹرین کہ اس ڈبے میں تقریباً تیس کھلاڑی بیٹھے تھے۔ مختلف میدانوں، پہاروں اور ٹنل سے گزرتے ہوئے ٹرین اپنے سفر پر رواں دواں تھی۔ حجر ان مناظر کو مسحوریت سے تک رہی

تھی۔ گیم کے گرافکس اس قدر کمال تھے کہ ان مصنوعی مناظر پر حقیقت کا گمان ہوتا تھا۔

جب ٹرین دریا پر بنے پل پر سے گزری تو اچانک سے بازوں کا غول ٹرین میں داخل ہوا۔ ان بازوں کو دیکھ کر حجر بھونچا گئی۔ وہ باز تو بغیر کسی پر حملہ کیے واپس چلے گئے تھے مگر ٹرین میں بیٹھے سبھی کھلاڑی چونکا ہو گئے تھے۔ کچھ لمحوں بعد ٹرین کے رکنے کے ساتھ ہی ایک آواز سپیکر سے نکل کر ہوا میں بکھری

”سب کھلاڑیوں کو ہنٹر کے گیم کے دوسرے راؤنڈ ”ہڈن ٹرینر“ Hidden Treasure میں خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ جو پہلا راؤنڈ آپ نے کھیلا ہے وہ صرف وارم اپ کے لیے تھا۔ اصل گیم اب شروع ہوگی۔ اس راؤنڈ میں ہر ایک پلیئر کو پانچ پہیلیاں سلجھانی ہونگی اور پانچ علامات حاصل کرنی ہونگی یہ علامات اگلا لیول پار کرنے میں آپ کی مدد کریں گی۔ جس نے سب سے پہلے ان پہیلیوں کو حل کیا اسے اٹھ گھنٹے کی قید سے نہیں گزرنا پڑے گا۔ امید ہے آپ سب جلد ہی اپنا ہڈن ٹرینر (علامات) حاصل کر لیں گے“ اعلان کے ختم ہوتے ہی ٹرین میں اندھیرا چھا گیا۔ اس اندھیرے میں حجر نے مشعل کو اپنے قریب آتے دیکھا۔ مشعل جادوئی تھی تبھی خود بہ خود ہوا میں سفر کر رہی تھی۔ مشعل اس سے کچھ فاصلے پر رک گئی۔ حجر نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور اس مشعل کو مٹھی میں قید کرنا چاہا مگر جیسے ہی اس کا ہاتھ مشعل کے قریب گیا اس مشعل کی روشنی میں ایک رقعہ واضح ہوا۔ وہ رقعہ پکڑ کر اسے مشعل کی روشنی میں پڑھنے لگی۔

”سورج کی تلاش ہے

یہ پہلے پراؤ کا آغاز ہے

دیوتاؤں کی علامت ہے

یہ یونانیوں کا اعتقاد ہے“

رقعے پر یہ پہیلی لکھی تھی۔ اس نے جیسے ہی پہیلی پڑھ کر سر اٹھایا وہ مشعل ایک سمت جانے لگی۔ حجر نے بھی اس مشعل کے پیچھے قدم بڑھائے۔ جیسے جیسے وہ آگے بڑھتی گئی اندھیرا ختم ہونے لگا اور مشعل کی روشنی مانند ہو گئی۔ حجر جو مشعل پر نگاہ جمائے اردگرد سے بے نیاز چلے جا رہی تھی مشعل کے غائب ہونے پر چونک گئی اور ارد گرد کا جائزہ لینے لگی۔ روشنی میں ہر شے واضح تھی۔ وہ اس وقت قدیم زمانے کے بازار میں موجود تھی جہاں مختلف لوگ سٹالز لگائے گاہکوں کو سبزیاں اور پھل بیچنے میں مصروف تھے۔ سب لوگ اس کی طرح پوشاک میں ملبوس تھے۔ ہر شخص کا چہرہ دوسرے شخص سے مختلف تھا۔ اردگرد کا جائزہ لینے کے بعد حجر نے اس رقعے کو کھولا اور اس پر لکھی پہیلی کو غور سے پڑھنے لگی کیونکہ پہیلی کے اندر ہی اسے سلجھانے کا طریقہ چھپا ہوتا ہے۔

"سورج, یونان, دیوتا" اس نے پہیلی کے تین اہم لفظوں کو خود کلامی کے انداز میں پڑھا۔ یونان کا ذکر وہ کتابوں میں پڑھ چکی تھی اس لیے وہ ان کے رسم و رواج سے واقفیت رکھتی تھی۔

"یونانیوں کا اعتقاد "

"سورج, دیوتا"

اس نے پہیلی کی سب سے آخری سطر پڑھ کر اوپر والی سطروں کے اہم لفظوں سے اس کو ملایا

"یونانی لوگ دیوتاؤں پر یقین رکھتے تھے سورج, دیوتا..... مطلب سورج کا دیوتا اپولو Apollo"

"اپولو... " وہ وہیں بازار میں کھڑی اپنے ذہن میں پہیلی کو حل کرنے کے لیے جوڑ توڑ کرنے میں مصروف تھی۔ آخری سطر میں سے جواب تلاش کرنے کے بعد وہ اس سے اوپر والی سطروں کی جانب بڑھی۔

"دیوتاؤں کی علامت ہوں... یعنی سورج کے دیوتا اپولو کی علامت"

"اپولو کا سمبل پڑھا تھا بچپن میں۔ اگر مجھے پتا ہوتا کہ بڑے ہو کر ایک گیم کے دوران مجھے اس سمبل کی ضرورت پڑنے والی ہے تو بچپن میں اچھی طرح رٹا لگا لیتی" حجر نے جل کر کہا۔ وہ اس وقت اس سمبل کو یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"یو شکل کا تھا وہ سمبل.... موسیقی کے آلہ تھا... کیا نام تھا اس کا؟..... لائیر lyre "

"لائیر lyre" نام یاد آنے پر اس نے لمبی سانس خارج کی۔

"علامت کا تو پتا چل گیا ہے مگر یہ علامت اب ملے گی کہاں؟" حجر نے کہتے ساتھ اردگرد موجود لوگوں کو دیکھا۔ ٹرین میں موجود جن لوگوں نے اس کے ساتھ دوسرے لیول کا آغاز کیا تھا ان میں سے ایک بھی چہرہ اسے اس بازار میں نظر نہیں آیا تھا۔ ہر ایک پلیئر کو الگ جگہ بھیجا گیا تھا۔ حجر نے کان کے قریب لگے آلے جو دبایا تو ایک سکریں اس کی نظروں کے سامنے ابھری۔ اس سکریں کے ایک جانب سب پلیئر کی کارکردگی واضح تھی۔ اب تک انتیس کھلاڑیوں میں سے صرف ایک نے پہلی پہیلی حل کی تھی۔ سکریں کے دوسری جانب اس علاقے کا نقشہ تھا جہاں اسے بھیجا گیا تھا۔ دوسرے کھلاڑیوں کو بھی پہلی پہیلی پہ اٹکے دیکھ کر اسے اطمینان ہوا کہ وہ اکیلی ہی بچپن میں نالائق نہیں تھی باقی سب بھی اس کی طرح کے تھے۔ علامت کی جگہ پتا لگانے کے لیے اس نے ایک دفعہ پھر پہیلی کو غور سے پڑھنا شروع کیا

”سورج کی تلاش ہے“ پہلی سطر پہ حجر کا ماتھا کھٹکا۔

”سورج کی تلاش؟ ہے سورج تو خلا میں ہے اسے کیسے تلاش کیا جاسکتا ہے.. مگر اس کے عکس کو تو تلاش کیا جا سکتا ہے نا.... کہاں ظاہر ہوتا ہے سورج کا ریفلیکشن؟“

”پانی میں، شیشے میں یا پھر کسی بھی ہموار سطح پر جس کو پالش کیا گیا ہو“ وہ خود سے سوالات کرتی پھر ان کا جواب بھی خود ہی تلاش کر رہی تھی۔

”پانی.... پانی میں علامت نہیں ہے کیونکہ اگر علامت پانی میں ہوتی تو مجھے پانی کے قریب کسی علاقے میں بھیجا گیا ہوتا جبکہ میں اس وقت پانی سے بیس پچیس کلومیٹر دور ہوں“ حجر نے میپ میں پانی تلاش کرنے کے بعد خودکلامی کی

”شیشہ... دوسرا اوپشن بھی سہی نہیں ہو سکتا کیونکہ قدیم زمانے میں توشیشے ہوا ہی نہیں کرتے تھے شیشوں کی جگہ قدیم زمانے کے لوگ ہموار لوہے کو پالش کر کے انہیں زیر استعمال لایا کرتے تھے“

”ہاں ہموار لوہے میں سورج کا عکس نظر آتا ہے“ اس خیال کے ذہن میں آتے ہی اس نے بازار میں لوہار کی دکان ڈھونڈنی شروع کر دی۔ جلد ہی اسے لوہار کی دکان دکھائی دی۔ لوہار نے گاہکوں کی توجہ کھنچے کے لیے ایک لوہے کو خوبصورتی سے پالش کر لے اپنی دکان کے باہر لگایا تھا جس میں کھلتے سورج کا عکس واضح نظر آرہا تھا۔ حجر نے دکان کے اندر قدم رکھے اور اپنا رقعہ اس نے لوہار کی نظرروں کے سامنے لہرایا۔ لوہار نے ایک نظر اس رقعہ کو دیکھا پھر قریب رکھے تین فٹ کے ڈبے کو کھولا۔ اس ڈبے میں سے تیز روشنی کی شعاع نکل کر حجر کی آنکھوں سے ٹکرائی۔ اس روشنی کی شعاع سے بچنے کے لیے اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے بایاں ہاتھ رکھا۔ کچھ لمحوں بعد روشنی کی شدت میں کمی واقع ہوئی تو حجر نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر اس ڈبے کی جانب دیکھا جس میں یو شکل کا لائبر جگمگا رہا تھا۔ حجر نے اپنا ہاتھ لائبر سے کچھ فاصلے پر کیا تو لائبر خود بہ خود اس کے پاس آ گیا اور ساتھ ہی حجر کے آنکھوں کے سامنے سکرین ابھری جس پر یہ الفاظ درج تھے

”آپ اپنی پہلی پہیلی حل کرنے میں کامیاب رہی ہیں۔ آپ کا شمار اب ان کھلاڑیوں میں ہوگا جو دوسری پہیلی کی تلاش میں ہیں“ سکرین کے غائب ہوتے اس کے گرد پھر سے اندھیرا چھا گیا۔ جس میں اس مشعل نے پھر سے اپنی روشنی بکھیری اور اس روشنی میں ایک رقعہ واضح یوا جس پر دوسری پہیلی لکھی تھی

”صلیب بھی ہوں اور نہیں بھی

پاؤ گے مجھ کو کہیں بھی

قدیم مصریوں کا ہوں نشان
کالی زمین میں ہوں دبا"

"کاش کے بچپن میں ہسٹری کی کتاب میں لکھی قدیم تہذیبوں کو میں نے توجہ سے پڑھا ہوتا.... خیر اب رونے کا کیا فائدہ جب چڑیاں چگ گئی کھیت" پہیلی پڑھنے کے بعد حجر جل کر بولی. اس مرتبہ اس مشعل نے اسے ایک مصری طرز کے بنے دربار میں پہنچایا تھا.

"صلیب, وہ چیز جو ہر جگہ ہو, مصریوں کا نشان, کالی زمین" اس نے اس پہیلی کو بھی پہلے طریقے سے ہی حل کرنا چاہا مگر اس دفعہ اس کا طریقہ کارآمد ثابت نہیں ہوا کیونکہ پہیلی کی چاروں سطر میں موجود اہم الفاظ ملانے سے کوئی مطلب واضح نہیں ہوا تھا.

"صلیب بھی ہوں اور نہیں بھی.... صلیب مطلب " کراس cross". کہیں یہ عیسائیوں والا کراس تو نہیں؟" اس نے خود سے سوال کیا
"مگر یہ تو مصریوں کا نشان ہے عیسائیوں کا نہیں" اپنے سوال کا جواب اس نے خود ہی تلاش کیا

"صلیب ہونا بھی اور نہیں بھی... مطلب اس کے چاروں بازوؤں میں سے ایک یا دو بازو دوسری بازوؤں سے الگ دکھتی ہوں گی"
"پاؤ گے مجھ کو کہیں بھی.... کون سی ایسی چیز ہے جو ہر جگہ موجود ہو؟"
"زندگی"

"قدیم مصریوں کا ہوں نشان" حجر نے تیسری سطر پڑھی تو اس کے ذہن میں جھماکا ہوا

"صلیب جسے قدیم مصری زندگی کا نشان مانتے تھے... انکھ Ankh... کراس آف لائف Cross of life"

"انکھ ہی ہو گی یہ علامت کیونکہ انکھ صلیب کی طرح کی ہی ہوتی ہے مگر اس کا ایک بازو گول ہوتا ہے"

"کالی زمین میں ہوں دبا" اوپر والی تین سطر حل کر کے وہ آخری سطر کی جانب بڑھی جس میں اس جگہ کا بتایا گیا تھا جہاں انکھ کو چھپایا تھا

"کالی زمین مطلب بلیک لینڈ..... قدیم زمانے میں مصر میں دریائے نیل کے کنارے موجود زرخیز زمین کو بلیک لینڈ black land کہا جاتا تھا" حجر کی ذہن میں اس کے کورس کی کتاب کی وہ لائن گونجی جس سے اسے اس پہیلی کو حل کرنے والی

آخری کڑی ملی۔ اس نے فوراً سے میپ کھولا اور بلیک لینڈ کی تلاش میں نظریں دورائیں۔ وہ زمین زیادہ دور نہیں تھی اس لیے وہ جلد ہی وہاں پہنچ گئی تھی۔ مگر وہاں جانے کے بعد جو نیا مسئلہ سامنے آیا تھا یہ تھا کہ اتنے بڑے رقبے پر پھیلی اس زمین کے کس حصے میں انکھ دبا ہوگا۔ حجر نے ایک نگاہ دور دور تک پھیلی اس زمین پر ڈالی تو ایک جگہ اسے روشنی دکھائی۔ وہ اس روشنی کے قریب گئی اور وہاں کھدائی کرنے لگی۔ جیسے جیسے وہ کھدائی کرتی گئی روشنی تیز ہوتی گئی۔ قریباً دو فٹ کھدائی کرنے کر بعد اسے لگا کہ اس کے ہاتھ سے کوئی سخت شہ ٹکرائی ہے۔ وہ سٹ شہ ایک چمکتا ہوا انکھ Ankh تھا جس کی روشنی دور دور تک پھیلی تھی۔ انکھ ملتے لی پہلے والا پیغام دوبارہ سے ظاہر ہوا اور اسے ایک نیا رقعہ دیا گیا۔ جس پر اس کی تیسری پھیلی درج تھی

“ نیلا آسمان نیلی زمین

اک سانپ ہے اس کا مکین

قدیم مصریوں کا ہے یقین

لا محدودیت کا ہے امین”

”یہ ساری مشکل پھیلیاں مجھے ہی مل رہی ہیں یا باقیوں کی پھیلیاں بھی اتنی ہی مشکل ہیں؟“ پھیلی پڑھ کر حجر کے ذہن میں سوال آیا

”اگر کبھی زندگی میں میری ملاقات ہوئی نا اس گیم کو بنانے والے سے تو پوچھوں گی ضرور کے یہ الٹی سیدھی پھیلیاں ڈالنے کی منطق کیا تھی“ اسے غصہ گیم ڈیویلپر پہ آ رہا تھا۔

”چلو خیر کرتے ہیں کوشش اس پھیلی کو حل کرنے کی“

”نیلا آسمان نیلی زمین.... لو جی پچھلی پھیلی میں زمین کو کالا کر دیا تھا اور اس پھیلی میں بیچاری زمین کو نیلا کر دیا ہے۔ بندہ پوچھے زمین بھی کبھی نیلے رنگ کی ہوئی ہے“

”نیلے رنگ کا تو پانی ہوتا ہے“

”ہاں... نیلا آسمان نیلی زمین مطلب پانی“ وہ پر جوش ہو کر بولی

اس دفعہ پھیلی میں علامت کی بجائے پہلی سطر میں علامت کا مقام بتایا گیا تھا۔

”اک سانپ ہے اس کا مکین.... سانپوں نے کب سے پانی میں رہنا شروع کر دیا۔ یقیناً گیم بنانے والا دماغی مریض ہے تبھی تو الٹی سیدھی پھیلیاں لکھی ہیں“ گیم ڈیویلپر کو کوسنے کا سیشن شروع ہو چکا تھا

”قدیم مصریوں کا ہے یقین.... بار بار مصریوں کی علامات کا ہی پوچھا ہے۔ بہلا ہماری یعنی کہ نوروے (نارس) کی علامات پہیلیوں میں پوچھ لیتے۔ فرفر جواب دینا تھا میں نے ان کا“

”لامحدودیت کا ہے امیں.... لامحدودیت مطلب انفینٹی infinity. انفینٹی کا سمبل تو الجبرا میں بھی پڑھا تھا۔ آٹھ کے ہندسے کی شکل کی ہوتی ہے یہ علامت“

”مصر میں اس علامت کا مطلب نہیں معلوم مجھے“ حجر بے بسی سے بولی پھر اس نے سکرین آن کی اور دوسرے کھلاڑیوں کی کارکردگی کا جائزہ لیا۔ اب تک صرف ایک ہی پلیئر نے تیسری پہیلی حل کی تھی اور پانچ کھلاڑیوں نے ہیلپ لائن کی مدد سے پہیلی حل کی تھی۔ ہیلپ لائن آپ کو پہیلی کو حل کرنے کا ہنٹ دیتی ہے مگر ہیلپ لائن کی مدد لینے کا نقصان یہ ہے کہ اگر آپ مدد لے کے گیم سب سے پہلے جیت جاتے ہیں تو آپ کی جیت قبول نہیں کی جاتی اور نہ ہی آپ کی قید ختم ہوتی ہے۔

حجر کی پرسوج نگاہیں ہیلپ کے بٹن پہ جمی تھیں۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے ہیلپ لینے کا فیصلہ کیا کیونکہ پہیلی میں دی ہوئی علامت کا ذکر اس نے کبھی نہیں سنا تھا۔ اس کے بٹن دباتے ہی اس کے قریب ایک آواز گونجی

”اس پہیلی کا جواب اورو بروز Ouroboros ہے۔ یہ آٹھ کے ہندسے کی شکل کی علامت ہے جس میں سانپ اپنی دم کو کھا کر لامحدودیت اور پیدائش اور موت کے چکر کی عکاسی کرتا ہے۔“

”تف ہے تم پہ حجر... اتنی آسان پہیلی کا جواب تم تلاش نہیں کر سکی“ پہیلی کا جواب سن حجر کو اپنی نالائقی کا افسوس ہونے لگا تھا۔ خود کو جی بھر کے ملامت کرنے کے بعد اس نے نقشہ نکالا اور قریب ترین پانی کا ذخائر کی جانب سفر شروع کر دیا۔ وہ ایک ندی تھی جس کی چوڑائی تقریباً تین فٹ تھی۔ اس نے ندی میں غوطہ لگایا تو ندی کے ناہموار فرش کے قریب اسے چمکتا ہوا اورو بروز Ouroboros دکھائی دیا۔ اسے حاصل کرنے کے بعد اس کا رخ اگلی پہیلی کی طرف تھا۔ اس دفعہ رقعے پہ لکھے الفاظ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک اور لبوں پہ فاتحانہ مسکراہٹ در آئی

”ہوں میں حصہ نارس کے روایتی قصوں کا

ہوں میں نشان گرج چمک کے دیوتا کا

ڈیرا ہے میرا وہاں , جہاں تھا بسیرا پریوں کا“

اس کی مسکراہٹ پہیلی میں نارس Norse لفظ کے باعث تھی۔ قدیم زمانے میں نوروے اور اسکینڈینیویا Scandinavia کو نارس کہا جاتا تھا۔ نارس دیوتاؤں کا

ذکر وہ بچپن سے سنتی آئی تھی اس لیے یہ پہیلی حل کرنا اس کے لیے نہایت آسان تھا۔

”گرج چمک کا دیوتا یعنی تھور Thor اور تھور کا نشان میونر Mjölner تھا جسے Thor’s hammer بھی کہا جاتا ہے۔“ میونر ایک ہتھورا نما افسانوی ہتھیار ہے جسے نارس کے دیوتا اپنے حفاظت کے لیے استعمال کرتے تھے۔ اسے سب سے زیادہ طاقت ور ہتھیار مانا جاتا ہے۔ بہت سی کامک بوکس میں بھی اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

”ڈیرا ہے میرا وہاں جہاں تھا بسیرا پریوں کا.... پریوں کا گھر یعنی لینڈ آف ایلوز ”Land of elves“۔ لینڈ آف ایلوز جسے Alfheim کہا جاتا ہے یہ نارس کے روایتی قصوں میں موجود نو جہانوں میں سے ایک ہے۔ یہ سویڈن کے صوبہ Bohuslän اور نوروے کے صوبے Ostfold کے مشرقی حصے کا پرانا نام بھی ہے۔ منٹوں میں اس نے پہیلی حل کی، پریوں کے دیس کا سفر طہ کیا اور Mjölner اس زمین سے نکال لائی۔ اگلی پہیلی سب سے آخری تھی اور سب سے مشکل بھی

”آخری پراؤ آخری چنوتی

دیکھیے جیت کس کی ہے ہوتی

تلاشومجھے اس میں جسے بنانے والے

کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی

دو باہمی مثلث ہوں میں جیسے

یہودیوں کی علامت ہے ہوتی“

”یہود کی علامت؟..... دو باہمی مثلث؟.... وہ چیز جس کے بنانے والے کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی؟ ایسی کیا چیز ہو سکتی ہے؟“ حجر نے سوالات کا سلسلہ شروع

ہو چکا تھا WWW.NEWERAMAGAZINE.COM

”یہودیوں کی شہادت پر انہیں ایک نشان دیا جاتا ہے کہیں یہ وہی والا نشان تو نہیں؟“

”وہ نشان تو ایک ستارے کی شکل کا ہوتا ہے جسے سٹار آف ڈیو Star of David

کہتے ہیں“ سٹار آف ڈیوڈ کی تصویر اس کے ذہن میں ابھری

”سٹار بھی تو دو مثلث کو ایک دوسرے کے مخالفت سمت رکھ کر بنایا جاتا ہے“ اس

نے کچھ دیر سٹار کی ساخت پر غور و فکر کرنے کے بعد خود کلامی کی

”آدھی پہیلی تو حل ہو گئی ہے۔ یہودیوں کی علامت یعنی سٹار آف ڈیوڈ کا تو پتا چل

گیا ہے مگر یہ علامت برآمد کہاں سے ہو گئی“ کافی دیر وہ اس چیز کے بارے میں

سوچتی رہی جس کے بنانے والے کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی مگر کوئی ایسی

چیز اس کے ذہن میں نہ آئی۔ تنگ آ کر اسنے کان کے قریب لگے آلے سے سکرین آن کی اور کھلاڑیوں کی کارکردگی دیکھنے لگی۔ تین پلیئر اب تک اس لیول کو پاڑ کر چکے تھے جن میں سے پہلے نمبر پر آنے والا کھلاڑی تیسرے لیول کا آغاز بھی کر چکا تھا۔

“حد ہے بھی دنیا کے سارے ذہین انسانوں نے آج ہی کھیلنا تھا یہ لیول۔ کھیلنا تھا تو کھیلتے مگر سب سے پہلے لیول پاڑ کر کے دوسرے کھلاڑیوں کو ان کی نالائقی کا احساس دلانے کی کیا ضرورت تھی۔ دل تو کر رہا ہے کہ ان تینوں کے گلے ہی دبا دوں” حجر اپنا غصہ ان کھلاڑیوں پر نکالنے میں مصروف تھی جب گلے دبانے کے الفاظ اس کے ذہن میں گونجے

“گلا دبانا مطلب مارنا... مرنے کے بعد انسان کو تابوت میں دفن کرتے ہیں... اور تابوت ہی وہ چیز ہے جس کے بنانے والے کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی” اس کے ذہن نے سہی موقع پر سہی انداز میں اس کا ساتھ دیا تھا۔ قبرستان جا کر اس نے سب سے روشن تابوت میں سے چمکتا ہوا سٹار آف ڈیوڈ نکالا اور ہنٹر گیم کے راؤنڈ ٹو “ہڈن ٹرنیر” کو الوداع کہا۔ لیپ ٹاپ کی سکرین اندھیرے میں ڈوبی تو حجر جو گیم کی طلسمائی دنیا میں سفر کر رہی تھی حقیقی دنیا میں واپس لوٹی۔

.....



نواہرا میگزین

WWW.NEWERAMAGAZINE.COM